© rasailojaraid.com

'وہم' سے 'علم' تک

ضعیف روایت کے صالح یا حسن بننے کے قرائن وشواہد

حافظ محمد زبیر

علمِ حدیث میں خبر یا حدیث کی تین بنیادی قسمیں ہیں: (۱) خبر صحیح وحسن (۲) خبر ضعیف (۳) خبر موضوع۔ خبر صحیح وحسن وہ خبر ہے جو اتفاقی طور پر اہلِ علم کے ہاں دینی مسائل میں قابلِ احتجاج ہے' جبکہ موضوع روایت یا خبر بالاتفاق نا قابلِ احتجاج ہے۔ ضعیف روایت کی متفرق اقسام اور مختلف احوال میں حجیّت کے بارے میں اہلِ علم کے ہاں تفصیل ہے۔ زیر نظر مقالہ ایک ضعیف روایت کے حسن یا قابل احتجاج بن جانے کی شرائط یا احوال و کیفیات کے بارے میں ہے کہ کن شرائط' قرائن یا اصول وکیفیات کی روشنی میں ایک ضعیف روایت قوت پکڑ کر قابل احتجاج یا حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ آسان الفاظ میں موضوع روایت کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو مردہ ہو اور اس میں حیات کے امکانات بھی ختم ہو چکے ہوں' جبکہ ضعیف روایت کی مثال ایک بیمار شخص کی سی ہے جسے بعض حالات وکیفیات میں صحت کی امید ہوتی ہے۔ پس زیر نظر مقالہ ان کیفیات اور احوال سے بحث کرتا ہے جو اہل علم کے ہاں ایک ضعیف روایت کو صالح یا حسن بنانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

دین ودنیا میں عام طور پر کسی بھی علم کے حصول کے لیے معتبر بنیادی ذرائع صرف دو ہی ہیں:

(۱) براہِ راست مشاہدہ وحواسِ خمسہ (five senses) سے حاصل شدہ علم

(۲) خبر سے حاصل شدہ علم

پہلا ذریعہ سائنس اور اہلِ مغرب کے ہاں اصل اور معتبر ذریعہ شمار ہوتا ہے' اگرچہ وہ دوسرے ذریعہ کو بھی استعمال کرتے ہیں' مثلاً بازار میں جاتے ہوئے آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کو سرعام کچھ افراد نے قتل کر دیا ہے' اب آپ کو اس شخص کے قتل ہونے کا علم براہِ راست مشاہدے سے ہوا ہے۔

دوسرا ذریعہ اہلِ دین و مذہب کے ہاں بنیادی ذریعہ شمار ہوتا ہے' اگرچہ وہ پہلے ذریعہ سے بھی حجت پکڑتے ہیں۔ درج بالا مثال میں یہ بھی ممکن ہے کہ آپ جائے وقوعہ پر موجود نہ ہوں اور آپ کو متعلقہ شخص کے قتل کی خبر مل جائے۔ یہ خبر بعض اوقات ایک شخص کے ذریعے پہنچتی ہے اور بعض اوقات دو' تین' چار یا ایک بہت بڑی تعداد کے ذریعے۔ بعض اوقات اس اطلاع کے آپ تک پہنچانے والے قابل اعتماد یا متقی وپرہیزگار یا صادق ہوتے ہیں' جبکہ بعض صورتوں میں یہ ناقلین نا قابل اعتماد یا جھوٹے یا مشکوک ہوتے ہیں۔ مخبرین کی تعداد یا اوصاف کیسے ہی کیوں نہ ہوں' دنیا اس کو خبر ہی کہتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصولِ علم کے مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ دو اور ذرائع بھی بہت معروف ہیں:

(۳) وحی والہام یا کشف ووجدان

(۴) عقل

انبیاء ﷺ پر نازل کی جانے والی وحی بھی اللہ ہی کی طرف سے ایک خبر ہوتی ہے۔ اکثر اوقات یہ وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بطورِ خبر نازل ہوتی تھی' جبکہ بعض اوقات یہ وحی خواب کی صورت میں بھی ہوتی تھی۔ کسی نبی کا خواب بھی مشاہدہ وخبر ہی کی ایک ملی جلی قسم ہے' جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کر رہے ہیں' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو خواب میں ذبح کرتے دیکھا۔ اسی طرح بعض اوقات ایک عام شخص کو بھی بذریعہ خواب کسی بات کا علم ہو جاتا ہے جسے 'رؤیا صادقہ' یا 'مبشرات' کہا جاتا ہے' لیکن ایک نبی اور ایک عامی کے خواب میں اصل فرق یہ ہے کہ نبی کا خواب دوسروں کے حق میں بھی وحی وحجت کا درجہ رکھتا ہے' جبکہ ایک عامی کا خواب خود اس کے لیے تو کسی اہمیت کا حامل ہوسکتا ہے لیکن دین میں کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں بن سکتا۔

انبیاء کے لیے علم کے حصول کی ایک خاص شکل 'الہام' بھی ہے' یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی نبی کے دل میں کوئی بات ڈال دیں۔ انبیاء کا یہ الہام وحی ہونے کی حیثیت سے ایک شرعی دلیل ہے۔ عام افراد کے لیے بھی اس عمل کو اصطلاحاً وجدان یا الہام ہی کہتے ہیں۔ دینِ اسلام میں غیر نبی کے وجدان یا الہام کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے' اگرچہ صوفیاء کے ایک قلیل طبقے نے اس کو ایک مستند ذریعۂ علم قرار دیا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ یا اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بات الہام کی ہے تو اس حقیقت کو معلوم کرنا کہ واقعتاً اس شخص کو وہ بات اللہ یا اس کے رسول ﷺ ہی کی طرف سے الہام کی گئی ہے' ایک ناممکن امر ہے اور اس کا کوئی معیار (criteria) اس دنیا میں موجود نہیں ہے جس پر اس کو پرکھا جاسکے کہ یہ بات اللہ ہی کی طرف سے الہام ہے یا شیطانی وساوس ہیں۔ لہٰذا کسی بھی بڑے سے بڑے عالم دین یا بزرگ وصوفی کا وجدان اُمتِ مسلمہ کے حق میں کسی شرعی دلیل کے مترادف نہیں ہے۔

دُنیوی علوم کے حصول کا ایک اور ذریعہ 'عقل' بھی ہے۔ علمِ فلسفہ میں اس ذریعۂ علم کو حصولِ علم میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فلاسفہ' عقل محض کی رہنمائی اور تفکّر وتعقّل کی روشنی میں امورِ غیبیہ اور مابعد الطبیعی (metaphysical) امور کی تشریح کرتے ہیں' اللہ کے وجود اور عدمِ وجود' انسانی مبدأ ومعاد' تخلیق کائنات' ربط الحادث بالقدیم' خیر وشر اور اخلاقی اقدار پر گفتگو کرتے ہیں۔ علمِ کلام اور علمِ منطق میں بھی کافی حد تک عقل کو ذریعۂ علم تسلیم کیا گیا ہے۔ دین میں عقل' احکامِ الٰہی کو حاصل کرنے کا ذریعہ تو نہیں ہے' لیکن ان کو سمجھنے میں اس کی حیثیت مسلّم ہے۔

دینِ اسلام کے حصول کے ذرائع

ہمارا موضوع اس وقت دین اسلام ہے۔ اس دنیا میں اس وقت دین اسلام کا تنہا ماخذ اللہ کے رسول ﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔اللہ کا دین قرآن کی صورت میں ہو یا قرآن کے علاوہ' وہ ہمیں محمد ﷺ کی ذات سے ہی ملا ہے۔جب تک آپ ﷺ کتاب اللہ کو قرآن قرار نہ دیں اُس وقت تک وہ قرآن نہیں بنتا۔یعنی قرآن بھی آپ ﷺ کے بتانے سے ہی قرآن بنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہ دین اسلام' کتاب وسنت کی صورت میں موجود تھا اور آپ ﷺ اس دین کو اپنے اقوال' افعال اور تقریرات کے ذریعے صحابہ ﷢ تک پہنچا رہے تھے۔اللہ کے رسول ﷺ سے ہم تک یہ دین کیسے منتقل ہوا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ کیا ہمارا دین اس بارے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے کتاب وسنت کی صورت میں جو دین اسلام حاصل کیا ہے' وہ قیامت تک آنے والے آپ ﷺ کے ہر ہر اُمتی تک کن ذرائع سے پہنچے گا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) اللہ کے رسول ﷺ آج ہمارے مابین موجود نہیں ہیں' لہٰذا ہم آپ ؐ کے اقوال وافعال کے براہِ راست مشاہدے سے اس دین کا علم حاصل نہیں کر سکتے جو آپ ؐ پر کتاب وسنت کی صورت میں نازل ہوا ہے یا جسے آپ ﷺ کے اجتہاد کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی تصویب وتائید حاصل ہوئی ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص محض اپنی عقل سے غور وفکر کرتے ہوئے اس دین کو معلوم کر لے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا تھا تو یہ بھی ناممکن ہے۔

(۳) اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ دین جو آج سے چودہ سو سال پہلے محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا' میں اپنے وجدان سے معلوم کر لوں تو دین اسلام کے حصول کی یہ صورت بھی قابل عمل نہیں ہے' کیونکہ اس کا کوئی معیار نہیں ہے کہ جس کو وہ اپنے دل میں محسوس کر رہا ہے وہ واقعتاً وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا یا شیطانی وساوس ہیں۔

(۴) پس دین کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہمارے پاس باقی رہ جاتا ہے اور وہ خبر ہے۔اب یہ خبر متواتر بھی ہو سکتی ہے اور آحاد بھی' قطعی بھی ہی ہو سکتی ہے اور ظنی بھی۔لہٰذا خبر اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ مجھے اور آپ کو اس خبر کے ذریعے ہی دین اسلام حاصل ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دین کا بنیادی موضوع ہے کہ یہ دین اسلام اللہ کے رسول ﷺ سے قیامت تک آنے والے ہر ہر امتی تک کیسے پہنچے گا اور دین نے اس کو بیان بھی کیا ہے۔جس طرح کسی چیز کا دین ہونا یا نہ ہونا ایک اہم بحث ہے' اتنی ہی اہمیت کی حامل یہ بات بھی ہے کہ وہ دین ہم تک کیسے پہنچے گا؟ دین ہو یا دین کے ہر ہر امتی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو' دونوں کی اہمیت عقلی ومنطقی اعتبار سے برابر ہے۔

دین اسلام کے حصول کا بنیادی ذریعہ خبر ہے

ہم یہ بات اوپر واضح کر چکے ہیں کہ جو دین اسلام' اللہ کے رسول ﷺ پر کتاب وسنت کی صورت میں نازل ہوا تھا' آج ہمارے پاس اس دین کے حصول کا بنیادی ذریعہ خبر ہے۔کتاب اللہ بھی ہمیں خبر سے ملی ہے اور یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قراء کی خبر ہے' جبکہ سنتِ رسول ﷺ کی بنیاد بھی خبر ہی ہے اور یہ محدثین کی خبر ہے۔ ہر دور میں مصاحفِ قرآنیہ کی تصحیح قراء کرتے رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ مصاحف میں لکھا ہوا بھی اپنی تصحیح میں قراء کی خبر کا محتاج ہے اور کتاب اللہ میں ان قراء کی خبر اصل ہے۔ اسی طرح کتبِ احادیث میں املا و کتابت کی اغلاط پر محدثین عظام متنبہ کرتے رہے ہیں جو حدیث میں محدثین کی خبر کے اصل ہونے کی دلیل ہے۔

دینِ اسلام نے اپنے نسل در نسل انتقال کے لیے جب خبر کو بنیادی ذریعہ بنایا تو انتقالِ علم کا یہ کوئی نیا ذریعہ نہیں تھا جسے سب سے پہلے دینِ اسلام نے استعمال کیا ہو' بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اس دنیا میں آمد ہی سے علم کے منتقل ہونے کے ذرائع میں ذریعہ خبر کو ایک بنیادی اور معتبر ذریعہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ پس خبر ہر دور میں دینی و دُنیوی علوم مثلاً کتبِ سماویہ اور تاریخِ انسانی وغیرہ کے منتقل ہونے کا بنیادی ذریعہ رہی ہے۔

خبر کا تجزیاتی مطالعہ

جب خبر دینِ اسلام کے حصول کا بنیادی ذریعہ قرار پائی تو اس کا ایک تجزیاتی مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ خبر کیا ہے یا اس کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ ہم اس بارے میں علومِ قرآن یا علم النحو یا بلاغت یا اصولِ فقہ کی کتب کھنگال کر اس کی متفرق اصطلاحی تعریفوں اور ان کی ردّ و قدح کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ اس دنیا میں ہر شخص جانتا ہے کہ خبر کیا شے ہے۔ اگر کسی چیز کی وضاحت کی ضرورت ہے تو وہ خبر کی مختلف صورتیں اور ان سے حاصل ہونے والے علم کے درجات ہیں۔

یہ امر واضح ہے کہ خبر میں جھوٹ اور سچ دونوں امکان پائے جاتے ہیں۔ کسی خبر میں سچ اور جھوٹ کے امکانات کی نسبت و تناسب (ratio) کو ہم یوں سمجھ سکتے ہیں:

100 90 80 70 60 50 40 30 20 10 0

یعنی جب ہمیں کوئی خبر ملتی ہے تو اس خبر کے سچا یا جھوٹ ہونے کے بارے میں اطمینانِ قلب و نفس کے پہلو سے ہم صفر سے ۱۰۰ تک کے درجات میں سے کسی ایک درجہ میں ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی خبر کے بارے میں ہم تقریباً ۱۰۰ فی صد مطمئن ہوں کہ وہ سچی یا جھوٹی ہے تو اس آخری درجہ کے اطمینانِ نفس کو اہلِ منطق کی اصطلاح میں علم یقینی یا علم قطعی یا علم کہتے ہیں' اور اگر یہ اطمینانِ قلب صفر درجہ سے زائد اور ۵۰ سے کم ہو تو اسے 'وہم' کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر ۵۰ سے اوپر اور ۱۰۰ سے نیچے ہو تو اسے 'ظن غالب' یا صرف 'ظن' بھی کہہ دیتے ہیں۔ اگر اطمینانِ قلب تقریباً ۵۰ درجہ پر ہو یعنی دونوں طرف برابر کا احتمال ہو تو اسے 'شک' کہتے ہیں۔

قرآن مجید ایک ایسی قطعی خبر ہے کہ جس کے سچ ہونے کا اطمینان ۱۰۰ فی صد ہے اور اس میں جھوٹ ہونے کا پہلو صفر درجہ میں ہے۔ اسی طرح اگر کسی روایت کے موضوع ہونے پر محدثین کا اتفاق ہو تو اس روایت کی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت میں سچ ہونے کا پہلو صفر درجہ میں ہوتا ہے اور جھوٹ ہونے کا امکان ۱۰۰ درجہ میں ثابت ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ہم درج ذیل نتائج نکال رہے ہیں:

(ا) بعض اوقات ایک خبر میں اس کے جھوٹ یا سچ کے امکانات میں سے ایک امکان قطعی طور پر ثابت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو اسے خبر قطعی کہتے ہیں، یعنی خبر میں سے ایک پہلو قطع ہو گیا یا ختم ہو گیا اور دوسرا یقینی طور پر متعین ہو گیا۔ ایسی خبر کہ جس میں ایک پہلو ختم ہو گیا ہو، علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ خبر متواتر سے علمِ قطعی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح محدثین کے ہاں موضوع روایت سے بھی علمِ قطعی حاصل ہوتا ہے، یعنی اس خبر میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف جھوٹ کا پہلو قطعیت کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔

(۲) بعض اوقات ایک خبر میں سچ یا جھوٹ کا پہلو غالب ہوتا ہے، یعنی ۵۰ درجہ سے اوپر ہوتا ہے، تو ایسی خبر سے 'ظن' حاصل ہوتا ہے۔ محدثین کے ہاں 'ظن' سے مراد محض ظن نہیں ہوتا بلکہ 'ظن غالب' ہوتا ہے جس کا سادہ سا معنی و مفہوم ہم یہ بیان کر سکتے ہیں کہ کسی روایت میں سچ یا جھوٹ کے پہلو کا ظن ۷۵ سے اوپر درجہ کا ہے، اور ایسی خبر دین میں علم و عمل کے لحاظ سے مفید ہے۔

(۳) بعض اوقات ایک خبر میں سچ یا جھوٹ کا پہلو مغلوب ہوتا ہے، یعنی ۵۰ فی صد سے کم درجہ میں ہوتا ہے، تو ایسی خبر سے 'وہم' حاصل ہوتا ہے، اور محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت جس کی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت کی سچائی ۵۰ درجہ سے کم ہو تو 'ضعیف' کہلاتی ہے۔

(۴) بعض اوقات ایک خبر میں سچ یا جھوٹ کا پہلو غالب ہوتا ہے، یعنی ۵۰ فی صد سے کافی زائد ہوتا ہے اور اس خبر سے 'ظن غالب' حاصل ہو رہا ہوتا ہے، لیکن اس خبر کے حق میں کچھ مزید قرائن مل جانے کی وجہ سے وہ خبر 'ظن غالب' سے 'علم' کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے۔ اسے محدثین کے ہاں '**خبر الواحد المحتف بالقرائن**' کا نام دیا جاتا ہے، مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم کی اخبار آحاد سے قرائن کی وجہ سے 'علم یقینی' حاصل ہوتا ہے۔

(۵) بعض اوقات ایک خبر میں سچ یا جھوٹ کا پہلو مغلوب ہوتا ہے، یعنی ۵۰ فی صد سے کم ہوتا ہے اور اس سے 'وہم' حاصل ہو رہا ہوتا ہے، لیکن قرائن و شواہد کے مل جانے کی وجہ سے اس خبر کا 'وہم' بڑھ کر 'ظن' کے درجہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور اگر کسی خبر کی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت میں سچائی کا پہلو قرائن کی وجہ سے 'وہم' سے 'ظن' کے درجہ میں منتقل ہو جائے تو اسے محدثین کی اصطلاح میں بعض اوقات 'حسن' اور بعض اوقات 'صالح'، اور بعض اوقات 'حسن لغیرہ' وغیرہ کہہ دیتے ہیں۔

اس دنیا میں بسنے والے انسان اپنی روزمرہ زندگی میں مختلف اخبار میں 'وہم' سے 'ظن' اور 'ظن' سے 'ظن غالب' اور 'ظن غالب' سے 'علم' تک کا سفر اس کثرت سے کرتے ہیں کہ یہ ایک بدیہی امر بن چکا ہے، جس کا انکار کسی انسان کے لیے ناممکن ہے۔ اس بات کو ایک سادہ سی مثال سے یوں سمجھیں کہ زید ۱۵ سال کا ایک نوجوان لڑکا ہے اور اس کے بچپن کے دو دوست حامد اور احمد ہیں۔ حامد کی سال میں ایک آدھ دفعہ زید سے ملاقات ہو جاتی ہے، جبکہ احمد اس سے مستقل طور پر رابطے میں ہے۔ اچانک ایک دن معلوم ہوا کہ زید کو کینسر ہے اور اس کو ہسپتال میں داخل کروا دیا جاتا ہے۔ حامد کو زید کی اس بیماری کا علم نہیں ہے جبکہ احمد زید کی عیادت کے لیے ہسپتال جاتا رہتا ہے۔ اچانک ایک دن حامد اور احمد دونوں کو کسی تیسرے شخص کی طرف سے صرف اتنی خبر ملتی ہے کہ زید کی وفات ہو گئی ہے تو حامد کو ملنے والی خبر 'صرف خبر واحد' ہے جبکہ احمد کو ملنے والی خبر '**خبر الواحد المحتف بالقرائن**' ہے، لہٰذا اس خبر کو سننے کے بعد دونوں کو حاصل ہونے والا علم مختلف ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دنیا میں رہتے ہوئے بہت سی خبروں کے بارے ہم 'وہم' میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان میں سے اکثر خبریں ایسی ہوتی ہیں جو ساری زندگی 'وہم' ہی رہتی ہیں' لیکن اس سے کسی انسان کو انکار ممکن نہیں ہے کہ بعض 'وہم' قرائن کی وجہ سے 'ظن' اور بعض اوقات 'ظن' سے بھی بڑھ کر 'علم' کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً جب نائن الیون کا واقعہ ہوا تو یہ خبر 'وہم' کے درجہ میں موجود تھی کہ امریکہ نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر خود حملے کروائے ہیں' جبکہ آج قرائن کی کثرت نے انسانی دنیا کی اکثریت کے اس 'وہم' کو 'ظن غالب' اور بعض خواص و ماہرین کے وہم کو 'علم' کے درجہ تک پہنچا دیا ہے کہ ان حملوں میں خود امریکی حکومت اور سی آئی اے بھی ملوث تھی۔ اس خبر میں 'وہم' کو 'ظن' یا 'علم' کے درجہ تک پہنچانے والے وہ قرائن یعنی ویڈیوز' انٹرویوز' تبصرے' ٹاک شوز' سائنسی حقائق' کتب' رسائل و جرائد اور صحافیوں کے سوالات ہیں' جنہیں مغربی اور مشرقی میڈیا میں پچھلے دس سال کے دوران بڑے پیمانے پر عام کیا گیا ہے۔ اسی طرح حال ہی میں امریکہ کی طرف سے شیخ اسامہ بن لادن کی ہلاکت کا دعویٰ بعض کے لیے 'وہم' اور بعض کے لیے 'ظن' کا درجہ رکھتا تھا' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ قرائن اور حالات و واقعات کی روشنی میں ماضی کی اس خبر کا 'وہم' اور 'ظن' علم کے درجہ میں منتقل ہو گیا ہے کہ امریکہ اپنے اس دعویٰ میں صادق ہے یا کاذب۔

محدّثین کے نزدیک خبر کی صحت وضعف کا تجزیہ

محدثین نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت کردہ روایت کی تحقیق دو اعتبارات سے کی ہے:

(۱) سند کے اعتبار سے

(۲) متن کے اعتبار سے

محدثین عظام پہلے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت کردہ روایت کی سند کی تحقیق کرتے ہیں اور پھر متن کی تحقیق کرتے ہیں۔ سند کی تحقیق سے مراد ان کے ہاں دو چیزیں ہیں:

(۱) رواۃ کی تحقیق' یعنی روایت کے جمیع راویوں کی عدالت اور ضبط کی تحقیق

(۲) اتصالِ سند کی تحقیق' یعنی سند میں موجود ظاہری اور خفی انقطاع کی تحقیق

محدثین نے اصولِ حدیث میں شریعت کے نقل کرنے کی ایک اہلیت مقرر کی ہے اور وہ کسی شخص کا عادل اور ضابط ہونا ہے۔ یعنی جس شخص میں یہ بنیادی معیار موجود ہو گا وہ شریعت کو نقل کرنے کا اہل ہو گا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء نے بھی اصولِ فقہ میں شریعت پر عمل کے لیے اہلیت وجوب اور اہلیت ادا کی ابحاث کی ہیں۔ پس شریعتِ اسلامیہ کے نقل کی بحث ہو یا اس پر عمل کی' دونوں کے لیے الگ الگ معیارات اصول کی کتابوں میں موجود ہیں۔ شریعت کے نقل میں محدثین نے راوی کی عدالت اور ضبط کو بہت اہمیت دی ہے' کیونکہ کسی خبر میں جھوٹ و خطا کا امکان یا تو تزکیۂ نفس اور تقویٰ و تدین کی کمی سے ہو سکتا ہے یا پھر حافظہ و کتابت کے ناقص ہونے سے۔

کسی شخص کے عادل ہونے سے مراد یہ ہے کہ دینی خبر کا راوی کذب' تہمت کذب' فسق و فجور' بدعت اور جہالت (ذات یا حالات کے مجہول ہونے) کے طعن سے پاک ہو' اور کسی شخص کے ضابط ہونے سے مراد یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ فحش الغلط' کثرتِ غفلت' وہم' مخالفتِ ثقات اور سوئے حفظ کے طعن سے پاک ہو۔ یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ عدالت میں طعن اختیاری اور کسبی ہے' یعنی ایک راوی کا عادل ہونے یا نہ ہونے میں مکمل اختیار ہوتا ہے' جبکہ ضبط میں طعن اختیاری نہیں ہے' یعنی ایک راوی ضابط ہے یا نہیں؟ اس میں اس کا اپنا اختیار نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ پس پہلی قسم کا طعن یعنی عدالت کا طعن دوسری قسم کے طعن یعنی ضبط کے طعن سے بہت بڑھ کر ہے۔ پس ایک غیر عادل ضابط راوی' ایک عادل غیر ضابط راوی سے درجہ میں برابر نہیں ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ کسی راوی میں کذب کی وجہ سے عدالت کا جس درجے کا طعن ثابت ہوتا ہے' وہ عام فسق وفجور یا راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے طعن کے برابر نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی راوی کے فحش غلطیاں کرنے کی وجہ سے اس کے ضبط میں جو طعن پیدا ہوتا ہے وہ اس کے وہم کی وجہ سے ضبط میں پیدا ہونے والے طعن کے برابر نہیں ہوتا۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ عدالت میں طعن کے پانچ اسباب ہوں یا ضبط میں طعن کے پانچ اسباب' ان دس اسباب سے پیدا ہونے والا ضعف ایک جیسا نہیں ہوتا۔ بعض اسبابِ طعن سے خبر میں شدید ضعف پیدا ہوتا ہے کہ جس کو دور کرنے کے لیے قوی قرائن کی ضرورت ہوتی ہے' جبکہ بعض اسبابِ طعن سے خبر میں خفیف ضعف پیدا ہوتا ہے کہ جس کا ضعف عمومی قرائن سے بھی دور ہو جاتا ہے۔

اگر کسی دینی خبر کے جمیع راوی عادل اور ضابط ہوں تو اس کے بعد ان رواۃ کے باہمی اتصال کو دیکھتے ہیں کہ سند (chain of narrators) میں کوئی انقطاع (discontinuance) تو موجود نہیں ہے۔ یعنی محدث سے اللہ کے رسول ﷺ تک کی سند میں درمیان میں کوئی ایک یا زائد راوی گرا تو نہیں ہوا ہے؟ جس طرح عدالت اور ضبط میں طعن کی وجہ سے خبر کا ضعف ایک جیسا نہیں ہوتا اسی طرح انقطاعِ سند کی مختلف صورتوں کی وجہ سے خبر میں پیدا ہونے والا ضعف بھی ایک جیسا نہیں ہوتا۔ مثلاً انقطاعِ سند کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی سند میں دو یا زائد راوی پے در پے گرے ہوں' جسے محدثین کے ہاں 'عضل' کہتے ہیں' اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جلیل القدر تابعی' صحابی کا نام لیے بغیر براہِ راست اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی روایت نقل کر دے' جسے محدثین کی اصطلاح میں 'ارسال' کہتے ہیں۔ انقطاع کی یہ دونوں قسمیں عقل ومنطق کی نظر میں برابر نہیں ہیں' لہٰذا ان دونوں صورتوں میں خبر میں پیدا ہونے والا ضعف بھی برابر نہیں ہے۔

ان تین اعتبارات یعنی عدالت' ضبط اور اتصال سے سند کی تحقیق کے بعد متن کی تحقیق کے لیے محدثین عظام متن میں شذوذ اور علل پر نظر دوڑاتے ہیں' اور اگر کسی روایت کا متن شاذ ہو یا اس کے متن میں کوئی خفیہ علت ہو تو اس کی سند صحیح ہونے کے باوجود اس روایت کو بحیثیت مجموعی ضعیف قرار دیتے ہیں۔ پس کسی دینی خبر کی روایت کی صحت کا دار ومدار صرف سند یا صرف متن نہیں ہے۔ ہم آسانی کی خاطر دینی خبر کی چار صورتیں بنا سکتے ہیں:

(۱) **سنداً صحیح متناً صحیح:** یعنی جس روایت کی سند اور متن دونوں صحیح ہوں۔

(۲) **سنداً صحیح متناً ضعیف:** یعنی جن روایات کی سند صحیح ہو' لیکن متن میں شذوذ یا خفیہ علت کی وجہ سے ضعف ہو۔ اس کی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت ہے کہ جس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا تھا۔ اس قسم کے علم کو محدثین کے ہاں 'علل الحدیث' کا نام دیا جاتا ہے۔

(۳) سنداً ضعیف متناً ضعیف: یعنی جس کی سند اور متن دونوں ضعیف ہوں۔

(۴) سنداً ضعیف متناً صحیح: یعنی جس کی سند ضعیف ہو' لیکن اس کا متن صحیح ہو' اور یہی روایات ہمارے اس مضمون کا موضوع ہیں۔ یعنی وہ روایات جو اپنا اسنادی ضعف خارجی قرائن کی بدولت کم کر کے 'وہم' سے 'ظن' کے درجہ میں پہنچ جاتی ہوں۔

محدّثین کے نزدیک ضعیف روایت کا مقام

ضعیف روایت کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ بھی عام ہے کہ اس کا درجہ وہی ہے جو موضوع روایت کا ہے' حالانکہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ ایک موضوع روایت تو اپنی نسبت الی الرسول ﷺ کے ثبوت میں zero level پر ہوتی ہے' لیکن ضعیف روایت کو ثبوت کے اعتبار سے zero کے برابر رکھنا عقل ونقل کے خلاف ہے۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ ضعیف روایات میں ضعف کے خفیف اور شدید ہونے کے اعتبار سے نسبت الی الرسول ﷺ کے ثبوت کا پہلو مغلوب ہوتا ہے' اگرچہ اس کے درجات ۵۰ سے نیچے کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت نے ضعیف روایت کو موضوع کی طرح کالعدم نہیں سمجھا ہے' بلکہ اس سے بھی اس کی حیثیت و ثبوت کے مطابق کہیں نہ کہیں استفادہ کیا ہے' چاہے اس استفادے کی نوعیت کسی کپڑے میں پیوند لگانے کے درجہ ہی کی کیوں نہ ہو۔

امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر حدیث کا ضعف خفیف ہو تو ایسی ضعیف روایات کو 'قیاس' پر ترجیح دیتے ہوئے قابلِ احتجاج سمجھا جائے گا۔ (منهج النقد فی علوم الحدیث : ص ۲۹۱' دارالفکر' دِمشق) امام عبداللہ بن مبارک' عبدالرحمٰن بن مہدی' سفیان بن عیینہ' سفیان ثوری' امام نووی' امام ابن کثیر اور امام سیوطی وغیرہ رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ وہ فضائل وزہد کے باب میں ضعیف رواۃ کی روایات قبول کر لیتے تھے۔ (الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج به للدکتور عبد الکریم بن عبد اللّٰه الخضیر : ص۲۷۸۔۲۷۹' دار المسلم' الریاض) بعض اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا ائمہ کے نزدیک ضعیف روایت کی کتابت اور روایت جائز ہے نہ کہ اس پر عمل۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک ان مذکورہ بالا ائمہ کے ضعیف روایات کے بارے میں مروی اقوال کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ ان کے نزدیک رقائق کے باب میں یعنی دلوں کو نرم کرنے والی باتوں کے بیان میں ضعیف روایت قابل احتجاج ہے نہ کہ فضائل اعمال میں۔

جمہور محدثین اور فقہاء کے نزدیک ضعیف روایت پر فضائل اعمال میں عمل کیا جا سکتا ہے' بلکہ امام نووی' ملا علی القاری اور ابن حجر ہیثمی رحمہم اللہ نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ضعیف روایات پر فضائل اعمال میں عمل جائز ہے۔ (منهج النقد فی علوم الحدیث: ص۲۹۲۔۲۹۳)

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ضعیف روایت پر عمل کی کچھ شرائط مقرر کی ہیں' اور ان شرائط کا بیان بہت ہی خوبصورت اور عمدہ ہے' جو درج ذیل ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) راویت کا ضعف قوی نہ ہو' یعنی کسی راوی پر کذب یا تہمت کذب یا فحش الغلط کا طعن نہ ہو۔
(۲) وہ خفیف الضعف روایت شریعت اسلامیہ میں ثابت شدہ کسی اصلِ عام کے تحت داخل ہو۔
(۳) اس خفیف الضعف روایت پر عمل کرتے وقت نسبت الی الرسول ﷺ کا عقیدہ نہ ہو۔(ایضاً)

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ متقدمین سلف صالحین کے نزدیک اگرچہ ترغیب وترہیب سے متعلق ضعیف روایات کا بیان اور ان پر عمل جائز ہے' لیکن ضعیف روایت سے کوئی شرعی حکم وجوب یا استحباب ثابت نہیں ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی اپنی رائے بھی یہی ہے۔(مجموع الفتاویٰ: ۱۸/۶۵۔۶۸)

امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)' امام مالک (م ۱۷۹ھ)' سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)' امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) اور امام ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) رحمہم اللہ وغیرہ مرسل روایت سے حجت پکڑتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) نے بھی چند شرائط کے ساتھ مرسل روایات کو قبول کیا ہے' جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) 'مسند' کی غیر موجودگی میں 'مرسل' سے حجت پکڑنے کے قائل ہیں اور یہی موقف امام ابوداؤد رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) کا بھی ہے۔ ائمہ جرح وتعدیل میں سے یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) اور علی بن مدینی (م ۲۳۴ھ) رحمہما اللہ وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ اگر ارسال کرنے والے کی عادت ہو کہ ثقہ راوی سے ارسال کرتا ہے تو اس کی مرسل قابل قبول ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) کے بقول اگر مرسل روایت پر اجماع ہو جائے تو وہ قابل قبول ہے اور اس کی سند کی احتیاج ختم ہو جائے گی' وغیر ذلک۔ (مباحث فی تحریر اصطلاح الحدیث المرسل وحجیته عند السادۃ المحدثین للشیخ حاتم بن عارف العونی : ص ۱۷۔۳۶' جدۃ)

بعض اہلِ علم مثلاً ابن حزم' ابن العربی' شہاب خفاجی' جلال دوانی' یحییٰ بن معین' ابوزرعہ رازی' ابوحاتم رازی' ابن ابی حاتم رازی اور امام شوکانی وغیرہ رحمہم اللہ کے نزدیک ضعیف روایت کسی بھی اعتبار سے قابلِ احتجاج نہیں ہے۔ بعض معاصر اہل علم اور فن حدیث کے محققین مثلاً شیخ احمد شاکر اور علامہ البانی رحمہما اللہ وغیرہ نے بھی اس موقف کو اختیار کیا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی طرف بھی اس موقف کی نسبت کی جاتی ہے۔(الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج به : ص ۲۶۱۔۲۷۲) لیکن ترغیب وتشویق کی روایات پر مبنی امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب 'الأدب المفرد' سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث رحمہ اللہ کی طرف اس موقف کی نسبت درست نہیں ہے کیونکہ اس میں ضعیف روایات بھی موجود ہیں۔

یہاں اس بحث کے کرنے سے مقصود یہ ثابت کرنا نہیں ہے کہ احکام یا فضائلِ اعمال میں ضعیف روایت پر عمل جائز ہے' کیونکہ یہ ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے اور ضعیف روایت پر عمل کی بحث کی تفصیل میں ایک متوازن موقف کو ہم کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ اہل علم کے اس اختلاف کو نقل کرنے سے اس وقت مقصود صرف یہی ہے کہ جمہور اہلِ علم اور محدثین کے نزدیک ضعیف روایت کا درجہ zero نہیں ہے' لہٰذا وہ اسے اس کے کچھ نہ کچھ درجہ کی وجہ سے کسی نہ کسی جگہ کسی نہ کسی مقصد مثلاً کتابت' روایت' متابعت' بطور شاہد' بطور احتجاج' فضائل میں عمل کے لیے' قیاس پر ضعیف روایت کو ترجیح دینا یا رقائق میں وعظ ونصیحت یا تفسیر میں یا مغازی وسیرت کے بیان یا مسند کی عدم موجودگی وغیرہ میں استعمال کرنے کے قائل ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ موضوع اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضعیف روایت کا درجہ ایک نہیں ہے۔ موضوع روایت کی نسبت الی الرسول ﷺ کے بارے میں تو یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ zero درجہ پر ہوتی ہے' لیکن ضعیف کے بارے میں ایسا کہنا درست نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل علم یا محدثین نے ضعیف روایات کے ساتھ کسی بھی دور میں ایسا سلوک نہیں کیا ہے کہ انہیں موضوع سمجھ کر ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہو' بلکہ کہیں نہ کہیں ان سے کسی نہ کسی صورت میں کسی نہ کسی درجہ میں استفادہ کیا ہے' اگرچہ اس استفادہ کی صورتوں اور حدود و قیود کی تفصیل میں بحث ممکن ہے اور ہونی بھی چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ موضوع روایت کے بارے میں تو قرآن کا طرزِ عمل یہ ہے کہ اسے سنتے ہی رد کر دینے کا حکم دیا ہے یا دوسرے الفاظ میں ایسی روایت کو پھینک دینے کا کہا ہے' جیسا کہ واقعہ افک کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴿۱۲﴾﴾ (النور)

''کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب تم نے اس خبر کو سنا تو مؤمن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے بارے میں اچھا گمان کیا اور انہوں نے کہا: یہ تو صریح جھوٹ ہے!''

آگے چل کر ارشاد ہے:

﴿وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴿۱۶﴾﴾ (النور)

''اور کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب تم نے اس خبر کو سنا تو تم نے کہا ہوتا ہمارے لیے تو یہ درست نہیں ہے کہ ہم ایسی بات کریں' ہم اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔''

جبکہ ضعیف روایت کے بارے میں کلامِ الٰہی کا رویہ ایسا نہیں ہے کہ اسے سنتے ہی ردّ کر دو یا پھینک دو' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾ (الحجرات : ٦)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو (اس خبر کی)۔''

کذوب یا کذاب کی خبر کا دین میں مقام

ایک کذوب یا کذاب کی خبر کے بارے میں عقل عام کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ اسے رد کرتی ہے۔ اسی طرح دین میں بھی کذوب یا کذاب کی خبر کے بارے میں اصل اصول یہی ہے کہ وہ نا قابلِ قبول اور مردود ہے' لیکن چونکہ ایک کذوب بلکہ کذاب سے بھی یہ عقلی و منطقی امکان ہوتا ہے کہ وہ کسی خبر میں صادق ہو' لہٰذا قوی قرائن کی بدولت کذوب یا کذاب کی خبر بھی بعض مخصوص حالات میں قابل قبول ہوتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ مخبر جس قدر زیادہ کذب میں مبتلا ہوگا' اس کی خبر کے درجہ قبولیت تک پہنچنے کے لیے اسی قدر قوی قرائن مطلوب ہوں گے۔ مثلاً شیطان کذاب ہے اور اس کی خبر مردود ہے' لیکن جب اس کی خبر کو اللہ کے رسول ﷺ کی تصدیق کا قرینہ مل گیا تو اس کی خبر مقبول ہوگئی' جیسا کہ صحیح بخاری میں شیطان کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیت الکرسی بتلانے کا واقعہ ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ وَکَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِحِفْظِ زَکَاةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ آتٍ فَجَعَلَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَصَّ الْحَدِیْثَ فَقَالَ اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ فَاقْرَاْ آیَةَ الْکُرْسِیِّ لَنْ یَزَالَ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا یَقْرَبُكَ شَیْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ صَدَقَكَ وَهُوَ کَذُوْبٌ ذَاكَ شَیْطَانٌ. (صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فضل سورة البقرة)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے ماہِ رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مامور کیا۔ پس میرے پاس ایک آنے والا آیا اور (زکوٰۃ کے) کھانے میں سے کچھ اٹھانے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ میں تمہیں لازماً اللہ کے رسول ﷺ تک لے کر جاؤں گا۔ پس اس کے بعد انہوں نے مکمل قصہ نقل کیا (اور اس کے آخر میں) شیطان نے (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے) کہا: جب آپ اپنے بستر پر جائیں تو آیت الکرسی پڑھ لیا کریں' اس طرح اللہ کی طرف سے آپ کے ساتھ ایک نگران ہمیشہ رہے گا اور شیطان آپ کے قریب بھی نہ آ سکے گا یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: اس نے تجھ سے سچ کہا حالانکہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے اور (اے ابوہریرہ!) وہ شیطان تھا۔''

ایک کذاب کی خبر کو اللہ کے رسول ﷺ کی تصدیق نے مقبول درجہ تک پہنچا دیا حالانکہ وہ خبر عام اصول کے مطابق عادتاً مردود تھی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ تصدیقِ رسول ﷺ کوئی کم درجہ کا قرینہ نہیں ہے جو راہ چلتے حاصل ہو جائے' بلکہ یہ بہت ہی قوی' نادر اور مفقود قرینہ ہے۔ اب ہمارے پاس کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے کہ جس سے حدیث میں کسی کذاب کی روایت مقبولیت کے درجہ کو پہنچ جائے' لہٰذا کذاب یا کذوب کی روایت ہر صورت مردود ہے۔

فاسق یا مُتّہم بالکذب کی خبر کا دین میں حکم

جہاں تک فاسق یا متہم بالکذب کا معاملہ ہے تو اس کی خبر کے بارے میں بھی اصل اصول یہی ہے کہ وہ قابل اطمینان نہیں ہے' لیکن اگر اس کی خبر کو کچھ قوی قرائن مل جائیں تو وہ بعض اوقات قبولیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا ﴾ (الحجرات : ٦)

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو (اس خبر کی)۔''

اس آیت مبارکہ میں دین و دنیا سے متعلق کسی بھی خبر واحد کو قبول کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ یعنی فاسق کی خبر کو رد کرنے کا حکم نہیں دیا گیا' بلکہ تحقیق کے بعد قبول و رد کا اختیار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن عاشور (م۱۳۹۳ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتنكير الفاسق ونبأ' فی سیاق الشرط یفید العموم فی الفساق بأی فسق اتصفوا' وفی الأنباء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كيف كانت. (التحرير والتنوير : الحجرات : ٦)

''نفی کے سیاق میں لفظ' فاسق' اور' نبأ' کو نکرہ لانے سے عموم کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور اس سے مراد ہر قسم کے فاسق ہیں' چاہے وہ کسی قسم کے بھی فسق و فجور میں مبتلا ہوں اور اس سے مراد ہر قسم کی خبریں ہیں۔''

امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) رحمہ اللہ آیت مبارکہ ﴿إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ﴾ (الحجرات : ٦) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وههنا فائدة لطيفة وهي أنه سبحانه لم يأمر بردّ خبر الفاسق وتكذيبه وردّ شهادته جملة' وإنما أمر بالتبيّن' فإن قامت قرائن وأدلة من خارج تدل على صدقه عمل بدليل الصدق ولو أخبر به من أخبر' فهكذا ينبغي الاعتماد في رواية الفاسق وشهادته' وكثير من الفاسقين يصدقون أخبارهم ورواياتهم وشهاداتهم بل كثير منهم يتحرى الصدق غاية التحري وفسقه من جهات أخرفمثل هذا لا يردّ خبره ولا شهادته' ولوردّت شهادة مثل هذا وروايته لتعطلت أكثر الحقوق وبطل كثير من الأخبار الصحيحة ولا سيما من فسقه من جهة الاعتقاد والرأي وهو متحر للصدق فهذا لا يرد خبره ولا شهادته. (التفسير القيم : ۱۲۸/۲۔۱۲۹)

''یہاں ایک نہایت ہی لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فاسق کی خبر کو رد کرنے یا اس کی تکذیب کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کی شہادت کو من جملہ رد کرنے کا حکم جاری کیا ہے' بلکہ چھان پھٹک کا حکم دیا ہے۔ پس اگر فاسق کے صدق پر خارجی قرائن اور دلائل قائم ہو جائیں تو صدق کی دلیل پر عمل ہوگا' اگرچہ اس کی خبر دینے والا کوئی بھی ہو۔ پس اس طرح فاسق کی خبر اور گواہی پر اعتماد جائز ہوگا۔ پس (قرائن اور دلائل کی روشنی میں) اکثر فساق کی اخبار' روایات اور گواہیوں کی تصدیق کی جائے گی' کیونکہ ان فساق کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جو سچائی کو انتہائی درجہ میں تلاش کرتی ہے اور ان کا فسق و فجور (جھوٹ کے علاوہ) بعض دوسری قسم کا ہوتا ہے [یعنی عموماً فساق و فجار دنیا کا ہر گناہ کر لیں گے لیکن جھوٹ سے بچیں گے' کیونکہ اس سے ان کے دھندے کا اعتماد خراب ہوتا ہے]۔''

یہ تو کذب یا جھوٹ کے علاوہ فسق و فجور کے حامل فساق و فجار کی روایات کا معاملہ ہے۔ اب کذب یا جھوٹ بھی درحقیقت تو فسق و فجور ہی کی ایک قسم ہے۔ پس اگر تو انسان کی زندگی میں غالب طور پر جھوٹ نہ ہو تو ایسے شخص کو فساق و فجار میں شمار کریں گے' اور اگر جھوٹ کسی شخص کی زندگی میں غالب طور پر موجود ہو تو اسے کذوب اور کذاب کے درجہ میں رکھیں گے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما فسقه من جهة الكذب فإن كثر منه وتكرر بحيث يغلب كذبه على صدقه فهذا لا يقبل خبره ولا شهادته' وإن ندر منه مرة ومرتين ففي رد شهادته وخبره بذلك قولان للعلماء وهما روايتان عن الإمام أحمد رحمه الله' والمقصود ذكر الفسق الذي لا يخرج إلى الكفر. (التفسير القيم : ۱۲۹/۲)

''اور جہاں تک ایسے فسق کا معاملہ ہے جو جھوٹ کی وجہ سے ہو' پس اگر تو اس سے اس قدر کثرت سے جھوٹ صادر ہو کہ اس کی سچائی پر غالب آ جائے تو اس کی خبر اور شہادت قبول نہیں کی جائے گی [کیونکہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاسق سے کذوب یا کذاب کے درجہ میں داخل ہوگیا ہے] اور اگر اس سے جھوٹ شاذ ونادر صادر ہو تو اس کی خبر اور شہادت کے قبول ورد میں علماء کے دو اقوال ہیں [یعنی اس کی خبر وشہادت قابل قبول ہے یا قابل قبول نہیں ہے] اور یہ دونوں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ یہاں ہمارا مقصود ایسا فسق وفجور ہے جو کفر تک نہ پہنچا تا ہو۔''

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ آیت مبارکہ ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفيه أيضا أنه متى اقترن بخبر الفاسق دليل آخر يدل على صدقه فقد استبان الأمر وزال الأمر بالتثبت‘ فتجوز إصابة القوم وعقوبتهم بخبر الفاسق مع قرينة. (مجموع الفتاویٰ : ۳۰۷/۱۵)

''اس آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جب فاسق کی خبر کے ساتھ کوئی اور ایسی دلیل مل جائے جو فاسق کے سچا ہونے پر دلالت کر رہی ہو تو معاملہ واضح ہو جاتا ہے اور پختگی سے شبہ زائل ہو جاتا ہے۔ پس اس صورت میں اگر فاسق کی خبر کے ساتھ کوئی قرینہ مل جائے تو (ایسے فاسق کی خبر کی بنیاد پر کسی) قوم پر چڑھائی کرنا یا اس کو سزا دینا جائز ہو جاتا ہے۔''

شیخ صالح العثیمین آیت مبارکہ ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمعنى : خبر الفاسق إذا جاء كم انظروافي القرائن‘ فإذا دلت القرائن على قبول خبره اقبلوه‘ وإذا دلت القرائن على ردّ خبر ردّوا. (شرح مقدمه اصول التفسير للعثيمين : ص ۱۵۷)

'' آیت کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ جب تمہارے پاس فاسق کی خبر آئے تو قرائن میں غور کرو‘ پس جب قرائن اس کی خبر کی قبولیت پر دلالت کر رہے ہوں تو اس کی خبر کو قبول کرلو اور جب قرائن اس کی خبر کے رد پر دلالت کر رہے ہوں تو اس کی خبر کو رد کر دو۔''

قرآن کریم میں ایک اور جگہ غیر مسلم کی شہادت بھی قبول کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (المائدة)

'' اے اہلِ ایمان! جب تم میں سے کسی ایک کو وصیت کرتے وقت موت آئے تو (اس وقت) تمہاری باہمی شہادت تم میں سے دو عادل افراد ہیں یا تمہارے علاوہ (یعنی غیر مسلموں میں سے) دو افراد ہیں جبکہ تم سفر میں ہو اور تمہیں موت آ پہنچے۔ تم ان دونوں (غیر مسلم گواہوں) کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھو گے، پس اگر تمہیں شک ہو (کہ ان دونوں نے شہادت میں ڈنڈی ماری ہے تو) وہ دونوں اللہ کی قسمیں اٹھائیں کہ ہم اس گواہی کے عمل کے بدلہ میں کوئی قیمت حاصل نہیں کریں اور اگرچہ جس کے خلاف گواہی جا رہی ہو وہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور ہم اللہ کی گواہی کو نہ چھپائیں گے، بے شک ہم (اگر ایسا کریں گے تو) لازماً گناہ گاروں میں سے ہو جائیں گے۔ پس اگر کسی طرح اطلاع ہو جائے کہ ان دونوں (غیر مسلم گواہوں) نے گناہ کمایا ہے [یعنی غلط گواہی دی ہے] تو میت کے ان قریبی رشتہ داروں میں سے جن کے خلاف گواہی جا رہی ہے، دو افراد ان دو (غیر مسلم گواہوں) کی جگہ کھڑے ہو کر اللہ کی قسمیں اٹھائیں گے کہ ہماری گواہی ان دونوں (غیر مسلموں) کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے زیادتی نہیں کی، بے شک ہم (اگر زیادتی کریں گے تو) لازماً ظالمین میں سے ہو جائیں گے۔ یہ طریقہ کار زیادہ قریب ہے اس بات کے وہ (غیر مسلم) لوگ اپنی گواہی کو صحیح رخ پر پیش کریں یا وہ اس سے ڈر جائیں کہ ان کی قسمیں کچھ دوسری قسموں سے رد کر دی جائیں گی۔ اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں مسلمان عادل گواہ نہ ملنے کی صورت میں دو غیر مسلموں کی گواہی بھی معتبر قرار دی ہے، لیکن ساتھ ہی ایسا طریق کار بتلا دیا کہ جس سے ان غیر مسلموں کی گواہی میں ان کے فسق و فجور یا عدالت کے مجروح ہونے کی وجہ سے جو طعن پیدا ہوتا ہے، اس کا ازالہ ہو سکے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وقت غیر مسلموں کی شہادت رد کرنے کی بجائے ایسے قرائن کی طرف رہنمائی کی ہے کہ جن سے ان کی شہادت کی تصدیق یا تکذیب ہو سکے۔

کلام مجید میں ایک جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ نقل کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا
شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا
لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ
شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ
الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ
بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ (النمل)

''حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا: مجھے کیا ہو گیا ہے، میں ہُدہُد کو دیکھ نہیں پا رہا ہوں یا وہ غائب ہے! میں اسے لازماً شدید سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل (عذر) لے کر آئے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے زیادہ دیر نہیں گزاری (کہ ہُدہُد آ گیا) پس اس نے کہا: میں نے اس چیز کا احاطہ کیا ہے جس کا آپ احاطہ نہیں کر سکے اور میں آپ کے پاس قوم سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے وہ ان پر حکمرانی کرتی ہے اور اسے ہر چیز دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی ہے اور اس کے پاس ایک بہت بڑا تخت ہے۔ میں نے اس عورت اور اس کی قوم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو مزیّن کر دیا ہے پس اس نے انہیں سیدھے رستے سے روک دیا ہے۔ پس وہ اس بات کی طرف رہنمائی نہیں پا سکے کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو زمین یا آسمانوں میں چھپی ہوئی ہر چیز کو نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ اللہ' اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: ہم عنقریب دیکھیں گے کہ تم نے سچ بولا یا تم جھوٹوں میں سے ہو۔ تو میرا یہ خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے پھر ان سے منہ موڑ لے پس دیکھ وہ کیا کیا چیز لوٹاتے ہیں!''

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدہد کی بلا اجازت غیر حاضری نے اس کی خبر اور روایت کو مشکوک بنا دیا تھا۔ پس آیت مبارکہ کے الفاظ ﴿سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی خبر کی تصدیق و تکذیب کی بنیاد خارجی قرائن کو بنایا اور بالآخر ایک قرینہ ہی کی بدولت ہدہد کی خبر کی تصدیق کی گئی اور وہ قرینہ ملکہ سبا کی طرف خط کا ڈالنا اور اس کی طرف سے ایلچی کا آنا تھا۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عن أبی هريرة ﷛ قال كان أهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الاسلام فقال رسول الله ﷺ: ((لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ ﴿وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ﴾ الآية)). (صحيح البخاری' كتاب التوحيد' باب ما يجوز تفسير التوراة وغيرها من كتب الله بالعربية)

''حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ اہلِ کتاب تورات کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر و توضیح اہلِ اسلام کے لیے عربی میں کرتے تھے۔ پس اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اہلِ کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب کرو۔ اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا...۔''

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی خبر میں عدالت میں طعن کی صورت میں بعض حالات میں بعض خارجی قرائن کی موجودگی میں مخبر کی خبر کو اس قدر تقویت مل جاتی ہے کہ وہ قابل احتجاج ہو جاتی ہے اور 'وہم' سے 'ظن' یا 'علم' کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

سیّء الحِفظ اور واہم کی خبر کا دین میں حکم

کسی دینی خبر کی صحت کا دوسرا معیار ضبط ہے۔ ضبط میں بھی طعن کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اگر خارجی قرائن میسر ہوں تو ایسی اخبار قابل احتجاج یا صالح کے درجہ تک تقویت پا جاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ﴾ (البقرة : ٢٨٢)

''اور تم (قرض کے معاملات میں) اپنے دو مَردوں کو گواہ بنا لیا کرو۔ پس اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دو عورتیں کافی ہیں' جو تمہارے پسندیدہ لوگوں میں سے ہوں' تا کہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد کروا دے۔''

اس آیت مبارکہ میں قرض کے لین دین کے معاملات میں گواہی کا نصاب بیان ہوا ہے۔ شہادت یا گواہی کا معیار عام خبر سے بڑھ کر ہوتا ہے' کیونکہ شہادت کی بنیاد پر دینی مسائل میں قضا اور عدالتی فیصلے ہوتے ہیں' جبکہ عام خبر کا معاملہ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ شہادت کے باب میں اگر ایک عورت اس قدر خفیف الضبط ہے کہ قرض کے ایک معاملہ میں اپنی گواہی دینے کو بھی بھول گئی ہے اور دوسری عورت نے اسے کوئی ایسا اشارہ دیا کہ پہلی عورت کو اپنی گواہی دینے کا فعل یاد آ گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک عورت کے نسیان کی کوتاہی اور عیب کسی دوسری عورت کے یاد کرا دینے سے دور ہو سکتا ہے۔

مالی معاملات میں عورت کی شہادت میں تو کم از کم دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے جبکہ خبر میں ایک عورت کی بھی خبر مقبول ہے۔ مالی معاملات میں دو عورتوں کی گواہی لازم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ تجارت اور مالی لین دین ان کا میدان نہیں تھا' لہٰذا عدم دلچسپی کی وجہ سے نسیان کا امکان زیادہ تھا۔ اس کے برعکس دین اسلام کو اگلی نسل تک منتقل کرنا مرد و عورت دونوں کا میدان اور دلچسپی کا موضوع ہے' لہٰذا وہاں اکیلی عورت کی روایت بھی قابل قبول ہے۔

منقطع روایات کا دین میں حکم

ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ انقطاعِ سند کی تمام صورتیں ایک جیسی نہیں ہیں۔ بعض صورتوں سے خبر میں پیدا ہونے والا ضعف شدید ہوتا ہے جبکہ بعض دوسری صورتوں میں خفیف ہوتا ہے۔ انقطاعِ سند کی صورت میں اگر ضعف خفیف ہو تو قرائن کی بدولت ختم ہو جاتا ہے اور روایت قابل احتجاج ہو جاتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فمن شاهد أصحاب رسول الله ﷺ من التابعين فحدث حديثا منقطعا عن النبي ﷺ اعتبر عليه بأمور' منها أن ينظر إلى ما أرسل من الحديث' فإن شركه فيه الحفاظ المأمونون فأسندوه إلى رسول الله ﷺ بمثل معنى ما روى كانت هذه دلالة على صحة من قبل عنه وحفظه' وإن انفرد بإرسال حديث لم يشركه فيه من يسنده قبل ما يفرد به من ذلك ويعتبر عليه بأن ينظر هل يوافقه مرسل غيره ممن قبل العلم عنه من غير رجاله الذين قبل عنهم' فإن وجد ذلك كانت دلالة يقوى به مرسله وهي أضعف من الاولى' وإن لم يوجد ذلك نظر إلى بعض ما يروى عن بعض أصحاب رسول الله ﷺ قولا له' فإن وجد يوافق ما روى عن رسول الله ﷺ كانت هذه دلالة على أنه لم يأخذ مرسله إلا عن أصل يصح إن شاء الله' وكذلك إن وجد عوام من أهل العلم يفتون بمثل معنى ما روى عن النبي ﷺ۔ (الرسالة : ٤٦١-٤٦٣' دار الكتب العلمية)

''پس جن تابعین کی اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہؓ سے ملاقات ہے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی منقطع یعنی مرسل روایت بیان کریں تو چند امور کے سبب سے ان مرسل روایات کا اعتبار کیا جائے گا۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ اس مرسل روایت میں غور کیا جائے' پس اگر اس مرسل روایت کا معنی و مفہوم کچھ عادل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ضابط راویوں نے کسی اور مسند روایت میں بھی بیان کیا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تابعی کی مرسل روایت صحیح اور محفوظ ہے۔ اور اگر صورت یہ ہو کہ تابعی اپنی مرسل روایت میں منفرد ہو اور کوئی اور راوی اس معنی کی مسند روایت نقل نہ کر رہا ہو تو پھر یہ غور کیا جائے گا کہ کیا اہلِ علم تابعین سے مروی کوئی اور مرسل روایت ایسی ہے جو اس پہلی مرسل روایت کی موافقت کر رہی ہو اور اس دوسری مرسل کے راوی بھی اور ہوں۔ اگر ایسا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلی مرسل روایت اس دوسری مرسل سے قوی ہو جائے گی۔ لیکن اس صورت میں مرسل کی قوت پہلی صورت کی مرسل سے کم ہوگی۔ اور اگر ایسا بھی نہ ہو (یعنی کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مرسل سے بھی نہ ہو رہی ہو) تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ کو دیکھا جائے گا۔ پس اگر کسی صحابی کا قول اس مرسل روایت کے موافق ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس مرسل کی کوئی اصل صحیح ہے' ان شاء اللہ۔ اسی طرح کا حکم اللہ کے رسول ﷺ سے مروی اس مرسل کا بھی ہے کہ جس کے معنی و مفہوم کے مطابق عام اہل علم نے فتویٰ جاری کیا ہو۔''

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراسيل إذا تعددت طرقها وخلت عن المواطأة قصدا أو الاتفاق بغير قصد كانت صحيحة قطعا. فإن النقل إما أن يكون صدقا مطابقا للخبر وإما أن يكون كذبا تعمد صاحبه الكذب أو أخطأ فيه، فمتى سلم من الكذب العمد والخطأ كان صدقا بلاريب. فإذا كان الحديث جاء من جهتين أو جهات وقد علم أن المخبرين لم يتواطأ على اختلافه وعلم أن مثل ذلك لا تقع الموافقة فيه اتفاقا بلا قصد علم أنه صحيح، مثل شخص يحدث عن واقعة جرت ويذكر تفاصيل ما فيها من الأقوال والأفعال ويأتي شخص آخر قد علم أنه لم يواطىء الأول فيذكر مثل ما ذكره الأول من تفاصيل الأقوال والأفعال، فيعلم قطعا أن تلك الواقعة حق في الجملة ، فإنه لو كان كل منهما كذبها عمدا أو خطأ لم يتفق العادة أن يأتي كل منهما بتلك التفاصيل التي تمنع العادة اتفاق الاثنين عليها بلامواطأة من أحدهما لصاحبه، فإن الرجل قد يتفق أن ينتظم بيتا وينظم الآخر مثله أو يكذب كذبة ويكذب الآخر مثلها ، أما إذا أنشأ قصيدة طويلة ذات فنون على قافية وروى فلم تجر العادة بأن غيره ينشيء مثلها لفظا ومعنى مع الطول المفرط، بل يعلم بالعادة أنه أخذها منه، وكذلك إذا حدث حديثا طويلا فيه فنون وحدث آخر بمثله فإنه إما أن يكون واطأه عليه أو أخذه منه أو يكون الحديث صدقا، وبهذه الطريق يعلم صدق عامة ما تتعدد جهاته المختلفة على هذا الوجه من المنقولات، وإن لم يكن أحدها كافيا إما لإرساله وإما لضعف ناقله. (مجموع الفتاوى : ۱۳/۳۴۷-۳۴۸)

''مرسل روایات کے طرق اگر ایک سے زائد ہوں اور ارادی یا غیر ارادی اتفاقی موافقت سے خالی ہوں (یعنی ان مرسل روایات کے راویوں کے ارادتاً یا اتفاقاً ایک بات پر متفق ہونے کا امکان نہ ہو) تو ایسی روایات قطعی درجہ میں صحیح قرار پائیں گی۔ کوئی بھی روایت یا تو امر واقعہ کے مطابق ہوگی اور سچی ہوگی یا امر واقعہ کے خلاف ہوگی اور جھوٹ ہوگی۔ (امر واقعہ کے خلاف ہونے کی صورت میں) یا تو اس روایت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راوی عمداً جھوٹا ہوگا یا وہ مخطی ہوگا۔ پس اگر راوی سے عمداً جھوٹ اور خطا دونوں ہی کی نفی ہو جائے تو اس کی خبر بلاشبہ سچ شمار ہوگی۔ پس اگر کوئی روایت دو یا زائد طرق سے مروی ہو اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس روایت کے مخبرین نے اس کے اختلاف پر آپس میں ملاقات نہیں کی ہے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ اس قسم کی روایات میں بلاقصد اتفاقی موافقت حاصل نہیں ہوتی تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ روایت صحیح ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے اور اس واقعہ میں موجود اقوال وافعال کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص ایسا ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس نے پہلے سے ملاقات نہیں کی ہے۔ پس وہ بھی اس واقعے کا ذکر کرتا ہے جس کا پہلے نے کیا ہے اور اس میں موجود اقوال وافعال کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ پس اس طرح سے قطعی طور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ واقعہ من جملہ حق ہے۔ کیونکہ اگر تو ان دونوں اشخاص نے عمداً جھوٹ بولا ہو یا خطأً ' دونوں صورتوں میں عادت اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ دو افراد نے بغیر باہمی ملاقات کے اس قدر تفصیلی واقعات کو ایک جیسا بیان کر دیا ہو۔ بعض اوقات ایک شاعر ایک شعر کہتا ہے اور دوسرا بھی ویسا ہی شعر کہہ دیتا ہے یا کوئی شخص ایک جھوٹ بولتا ہے اور دوسرا بھی ویسا ہی جھوٹ بول دیتا ہے' لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک شخص نے کئی ایک فنون پر مشتمل کسی قافیہ پر ایک لمبا قصیدہ کہا ہو اور وہ اس سے مروی ہو تو عادت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اس شخص کے علاوہ کوئی اور شخص بھی ایسا ہی قصیدہ لفظاً ومعناً اسی قدر طویل صورت میں کہے' بلکہ عادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس صورت میں دوسرے نے ضرور پہلے سے وہ قصیدہ لیا ہوگا۔ پس اسی طرح اگر کوئی شخص ایک لمبی چوڑی (مرسل) روایت بیان کرے کہ جس میں کئی ایک فنون کا بیان ہو اور دوسرا بھی ایسی ہی روایت نقل کرے' پس یا تو دوسرے نے پہلے سے ملاقات کی ہے اور اس سے وہ (مرسل) روایت حاصل کی ہے (اور اگر دوسرے کی پہلے سے ملاقات نہ ہو) تو یہ روایت سچی ہوگی [کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں تابعین کا کوئی مصدر ہے جسے انہوں نے اگرچہ بیان نہیں کیا اور ان تابعین نے جھوٹ بھی نہیں بولا ہے]۔ پس اس طرح سے ایک ایسی روایت کہ جس کے طرق مذکورہ بالا اعتبار سے مختلف ہوں' اس کے عمومی بیانات کی تصدیق کی جائے گی' اگرچہ وہ روایت اپنے اکیلے طریق میں مرسل ہونے کی وجہ سے یا راوی کے ضعف کی وجہ سے کفایت کرنے والی نہ ہوگی۔''

امام ابوداؤد رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) لکھتے ہیں:

وأما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثورى ومالك بن أنس والأوزاعى' حتى جاء الشافعى فتكلم فيها وتابعه على ذلك أحمد بن حنبل وغيره رضوان اللّٰه عليهم. فإذا لم يكن مسند غير المراسيل' ولم يوجد المسند' فالمرسل يحتج به وليس هو مثل المتصل فى القوة." (رسالة إلى أهل مكة : ص ۲۵۔۲۶' المكتب الاسلامى)

''جہاں تک مراسیل کا معاملہ ہے تو سابقہ علماء میں سے سفیان ثوری' امام مالک اور امام اوزاعی رحمہم اللہ ان سے حجت پکڑتے تھے' یہاں تک کہ امام شافعی رحمہ اللہ آئے اور انہوں نے اس بارے میں کلام کیا (اور اس کی قبولیت کی کچھ شرائط مقرر کیں) اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متابعت کی (یعنی مرسل کو مطلق طور پر قبول نہ کیا)۔ پس جب مسند موجود نہ ہو اور صرف مرسل روایت ہو تو اس صورت میں مرسل روایت سے حجت پکڑی جائے گی' لیکن وہ قوت میں متصل کے برابر پھر بھی نہ ہو گی۔''

قرائن کی تشریح وتوضیح

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ وہ کون سے قرائن ہیں جو ایک دینی خبر کو 'وہم' سے 'ظن' اور 'ظن' سے 'علم' کے درجہ میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ قرائن کئی طرح کے ہیں:

(۱) مثلاً ایک قرینہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک ضعیف روایت امت کے ہاں خیر القرون اور فقہائے محدثین کے دور میں تلقّی بالقبول کی وجہ سے قابل احتجاج اور صالح ہو جاتی ہے۔

امام زرکشی (م۷۹۴ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أن الحديث الضعيف إذا تلقته الأمة بالقبول عمل به على الصحيح' حتى إنه ينزل منزلة المتواتر في أنه ينسخ المقطوع' ولهذا قال الشافعي في حديث "**لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ**" إنه لايثبته أهل الحديث ولكن العامة تلقته بالقبول وعملوا به حتى جعلوه ناسخا لآية الوصية للوارث.

(النكت على ابن الصلاح : ۳۹۰/۱' أضواء السلف ' الرياض)

''جب ضعیف روایت کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہو تو صحیح قول کے مطابق اس پر عمل کیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ روایت اس اعتبار سے متواتر کے درجہ کو بھی پہنچ جاتی ہے کہ وہ قطعی طور پر ثابت شدہ حکم کو منسوخ کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے 'وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے' والی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ محدثین اسے ثابت نہیں مانتے لیکن عوام الناس کے ہاں اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور اس پر عمل ہے' یہاں تک کہ یہ روایت (وصیت کے بارے میں) آیت کریمہ کی ناسخ ہے۔''

امام ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) ''**هو الطهور ماؤه**'' والی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهذا الحديث لا يحتج أهل الحديث بمثل إسناده وهو عندي صحيح لأن العلماء تلقوه بالقبول له والعمل به. (التمهيد : ۲۱۹/۱۶'مؤسسة القرطبة)

''اس روایت کی سند محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہے' لیکن میرے نزدیک یہ روایت صحیح ہے' کیونکہ علماء کے ہاں یہ متلقی بالقبول ہے اور اس پر عمل ہے۔''

اس کی مثال نومولود کے کان میں اذان دینے والی ضعیف روایت بھی ہے' جسے امت میں تلقی بالقبول کی وجہ سے قابل احتجاج قرار دیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح کسی ضعیف روایت کا متعدد طرق سے مروی ہونا بھی ایسا قرینہ ہے جو بعض صورتوں میں اس کے ضعف کو ختم کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (م۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمراسيل إذا تعددت طرقها وخلت عن المواطأة قصدا أو الاتفاق بغير قصد كانت صحيحة قطعا. (مجموع الفتاوى : ۳۴۷/۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''مرسل روایات کے طرق اگر ایک سے زائد ہوں اور ارادی یا غیر ارادی اتفاقی موافقت سے خالی ہوں (یعنی ان مرسل روایات کے راویوں کے ارادتاً یا اتفاقاً ایک بات پر متفق ہونے کا امکان نہ ہو) تو ایسی روایات قطعی درجہ میں صحیح قرار پائیں گی۔''

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد يكون الرجل عندهم ضعيفا لكثرة الغلط فی حديثه ويكون حديثه إذا الغالب عليه الصحة لأجل الاعتبار به والاعتضاد به' فإن تعدد الطرق و كثرتها يقوى بعضها بعضا حتى قد يحصل العلم بها ولو كان الناقلون فجارا فساقا' فكيف إذا كانوا علماء عدولا! (مجموع الفتاوىٰ : ۲۶/۱۸)

''بعض اوقات ایک راوی محدثین کے نزدیک اپنی روایات میں کثرتِ اغلاط کی وجہ سے ضعیف ہوتا ہے اور اس کی روایت پر دوسری روایات کے اعتبار اور تقویت کی وجہ سے صحت کا حکم غالب ہوتا ہے۔ پس اگر کسی روایت کے طرق قوی اور کثیر ہوں تو یہ روایات ایک دوسرے کو قوی کرتی ہیں' یہاں تک کہ ان سے علم یقینی بھی حاصل ہو جاتا ہے اگر چہ ان کے ناقلین فساق و فجار ہوں۔ پس اگر یہ ناقلین علمائے عدول ہوں تو کیسے یہ علم حاصل نہ ہوگا؟''

امام بیہقی (م۴۵۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ونحن إنما لا نقول بالمنقطع إذا كان منفردا' فإذا انضم إليه غيره' أو انضم إليه قول بعض الصحابة' أو ما تتأكد به المراسيل' ولم يعارضه ما هو أقوى منه فإنا نقول به.

(معرفة السنن والآثار' باب الوضوء من مس الذكر)

''اور اگر تو منقطع روایت منفرد ہو تو ہم اس کی بنیاد پر کوئی فتویٰ جاری نہیں کرتے' لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی اور روایت یا بعض صحابہ کا قول مل جائے یا اس منقطع روایت کی تائید کچھ مرسل روایات سے ہو جائے اور کوئی زیادہ قوی روایت اس کے مخالف بھی نہ ہو تو ہم ایسی منقطع روایت کی بنیاد پر فتویٰ جاری کرتے ہیں۔''

امام ابن حجر (م۸۵۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومتى توبع السيء الحفظ بمعتبر كأن يكون فوقه أو مثله لادونه' وكذاالمختلط الذى لم يتميز' والمستور' والإسناد المرسل' وكذا المدلس إذا لم يعرف المحذوف منه' صار حديثهم حسنا' لا لذاته' بل وصفه بذلك باعتبار المجموع' من المتابِع والمتابَع' لأن كل أحد منهم احتمال أن تكون روايته صوابا' أو غير صواب' على حد سواء' فإذا جاء ت من المعتبرين رواية موافقة لأحدهم رجح أحد الجانبين من الاحتمالين المذكورين' ودل ذلك على أن الحديث محفوظ' فارتقى من درجة التوقف إلى درجة القبول. (نزهه النظر فی توضيح نخبة الفكر : ص ۱۳۰' مطبعة سفير'الرياض)

''اور اگر سیّ ءالحفظ کی متابعت کسی ایسے معتبر سے ہو جو اس کے برابر یا اس کے اوپر درجے کا ہو اور اس سے کم تر نہ ہو' اسی طرح وہ مختلط جو متمیّز نہ ہو' اور مستور الحال اور مرسل اسناد اور اسی طرح مدلّس جبکہ اس میں گرا ہوا راوی معلوم نہ ہو تو ان کی حدیث (معتبر کی متابعت سے) حسن بن جاتی ہے۔ یہ حسن لذاتہ نہیں ہے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا یہ (حسن ہونا) وصف مجموعی کے اعتبار سے ہے' یعنی متابع اور متابع کے پہلو سے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں (یعنی متابع اور متابع) برابر کی سطح پر یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ اس کی روایت صواب یا غیر صواب ہو۔ پس جب معتبرین سے کسی ایک راوی کی موافقت میں کوئی روایت مل جائے تو دونوں احتمالات یعنی صواب و غیر صواب میں سے ایک کو ترجیح دے دی جائے گی' اور یہ اس بات کی دلالت ہوگی کہ یہ روایت محفوظ ہے اور درجہ توقف سے درجہ قبول میں چلی گئی ہے۔''

شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومن القرائن أن يأتي الخبر نفسه من طر ق متعددة' ولو كانت هذه الطرق عن من هذة صفتهم ولكن بدون مواطأة واتفاق' هذه من القرائن' إذ كيف يعقل أناس مختلفين بلا اتفاق وكلا في جهة وكلا في مكان وكلا في بلد لم يلتقوا ولم يتصلوا ببعض' كلهم يأتي وينقل نفس القضية إما بلفظها أو بمعناها' أليست هذه قرينة على صدقهم' وإن كانوا في الأصل كذابين؟! إذا هذه من القرائن التي يتثبت فيها' فقد يقبل بها خبر الفاسق. (شرح مقدمه اصول التفسير للعثيمين : ص ۱۵۸)

''اور ان قرائن میں سے یہ بھی ہے کہ خبر کئی ایک طرق سے مروی ہو۔ پس جب یہ طرق ان لوگوں سے مروی ہوں کہ جن کی یہ صفات ہوں اور ان کے راویوں میں کوئی ملاقات اور اتفاق نہ ہو تو یہ قرائن ہیں۔ کیونکہ عقل میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ کچھ لوگ بغیر کسی ارادی اتفاق کے' ایک ہی قضیہ کو ایک جیسے الفاظ یا معانی کے ساتھ نقل کر رہے ہوں جبکہ وہ لوگ مختلف مقامات' شہروں یا جہات میں ہوں اور وہ آپس میں ملے بھی نہ ہوں۔ کیا یہ ان افراد کے سچا ہونے کا قرینہ نہیں ہے؟ اگرچہ وہ حقیقت میں جھوٹے ہی کیوں نہ ہوں؟ تو یہ وہ قرائن ہیں کہ جن سے ایک خبر ثابت ہوتی ہے۔ پس ان قرائن کے ساتھ فاسق کی خبر مقبول ہے۔''

(۳) بعض اوقات ایک ضعیف روایت پر اجماع کا قرینہ بھی اسے درجہ قبولیت تک لے جاتا ہے اور اس روایت کا معنی صحیح ہو جاتا ہے اور وہ سند سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال علي وقد يرد خبر مرسل إلا أن الاجماع قد صح بما فيه متيقنا منقولا جيلا فجيلا' فإن كان هذا علمنا أنه منقول نقل كافة كنقل القرآن فاستغنى عن ذكر السند فيه' وكان ورود ذلك المرسل وعدم وروده سواء ولا فرق وذلك نحو "لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ" وكثير من أعلام نبوته ﷺ...وأما المرسل الذي لا اجماع عليه فهو مطروح على ما ذكرنا لأنه لا دليل عن قبوله البتة. (الإحكام في أصول الأحكام : ۲/۲۰۰' دار الحديث' القاهرة)

''امام ابن حزم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ خبر مرسل مردود ہے الا یہ کہ اس مرسل روایت کے معنی و مفہوم پر اجماعِ متقین ہو جو نسل در نسل منقول ہو۔ پس اگر کوئی مرسل روایت ایسی ہو کہ اسے ایک بہت بڑی تعداد نقل کر رہی ہو جیسا کہ قرآن منقول ہے تو اس کی سند کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس اس صورت میں اس مرسل روایت کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور اس کی مثال 'لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ' والی روایت ہے یا آپ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں سے متعلق روایات ہیں...اور جہاں تک اس مرسل روایت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملہ ہے کہ جس پر اجماع نہ ہو تو وہ مردود ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کیونکہ اسے قبول کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔''

(۴) اس کے علاوہ بھی بہت سے قرائن بیان کیے جا سکتے ہیں لیکن اس وقت مقصود ان قرائن کا احاطہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض قرائن کی طرف اشارہ کیا ہے:

فمن شاهد أصحاب رسول اللهﷺ من التابعين فحدث حديثا منقطعا عن النبیﷺ اعتبر عليه بأمور منها أن ينظر إلى ما أرسل من الحديث' فإن شركه فيه الحفاظ المأمونون فأسندوه إلى رسول اللهﷺ بمثل معنى ما روى كانت هذه دلالة على صحة من قبل عنه وحفظه' وإن انفرد بإرسال حديث لم يشركه فيه من يسنده قبل ما يفرد به من ذلك ويعتبر عليه بأن ينظر هل يوافقه مرسل غيره ممن قبل العلم عنه من غير رجاله الذين قبل عنهم فإن وجد ذلك كانت دلالة يقوى به مرسله وهي أضعف من الاولى' وإن لم يوجد ذلك نظر إلى بعض ما يروى عن بعض أصحاب رسول اللهﷺ قولا له' فإن وجد يوافق ما روى عن رسول اللهﷺ كانت هذه دلالة على أنه لم يأخذ مرسله إلا عن أصل يصح إن شاء الله' وكذلك إن وجد عوام من أهل العلم يفتون بمثل معنى ما روى عن النبیﷺ۔ (الرسالة : ٤٦١-٤٦٣' دار الكتب العلمية)

''پس جن تابعین کی اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ ؓ سے ملاقات ہے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی منقطع یعنی مرسل روایت بیان کریں تو چند امور کے سبب سے ان مرسل روایات کا اعتبار کیا جائے گا۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ اس مرسل روایت میں غور کیا جائے' پس اگر اس مرسل روایت کا معنی ومفہوم کچھ عادل اور ضابط راویوں نے کسی اور مسند روایت میں بھی بیان کیا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تابعی کی مرسل روایت صحیح اور محفوظ ہے۔ اور اگر صورت یہ ہو کہ تابعی اپنی مرسل روایت میں منفرد ہو اور کوئی اور راوی اس معنی کی مسند روایت نقل نہ کر رہا ہو تو پھر یہ غور کیا جائے گا کہ کیا اہلِ علم تابعین سے مروی کوئی اور مرسل روایت ایسی ہے جو اس پہلی مرسل روایت کی موافقت کر رہی ہو اور اس دوسری مرسل کے راوی بھی اور ہوں۔ اگر ایسا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلی مرسل روایت اس دوسری مرسل سے قوی ہو جائے گی لیکن اس صورت میں مرسل کی قوت پہلی صورت کی مرسل سے کم ہو گی۔ اور اگر ایسا بھی نہ ہو (یعنی کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مرسل سے بھی نہ ہو رہی ہو) تو پھر صحابہ ؓ کے فتاویٰ کو دیکھا جائے گا۔ پس اگر کسی صحابی کا قول اس مرسل روایت کے موافق ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہو گی کہ اس مرسل کی کوئی اصل صحیح ہے' ان شاء اللہ۔ اسی طرح کا حکم اللہ کے رسول ﷺ سے مروی اس مرسل کا بھی ہے کہ جس کے معنی ومفہوم کے مطابق عام اہلِ علم نے فتویٰ جاری کیا ہو۔''

یہ واضح رہے کہ ہر قرینہ کا درجہ یا وقعت ایک جیسی نہیں ہوتی' لہٰذا ہر قرینہ ہر قسم کے ضعف کو دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کون سا قرینہ کس قدر ضعف کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس بارے میں کبار ائمہ و فقہائے محدثین' مثلاً امام شافعی' امام بیہقی' امام ابن عبد البر' امام ابن تیمیہ اور امام ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہم کے اقوال کا اعتبار ہو گا جنہیں ہم نقل کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'وہم' سے 'ظن' کا سفر طے کرنے والی خبر میں الفاظ و معانی کا ثبوت

کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں یہ فرق ہے کہ کتاب اللہ میں الفاظ و معانی دونوں اللہ تعالیٰ کے ہیں جبکہ سنت رسول ﷺ میں معانی تو اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں البتہ الفاظ اللہ کے رسول ﷺ کے ہیں۔ اسی طرح ان دونوں میں ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ کتاب اللہ میں لفظاً روایت ہوئی ہے' یعنی اس میں ایک ایک حرف محفوظ ہے' جبکہ احادیث میں لفظاً و معناً روایت ہوئی ہے' یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے الفاظ بھی منتقل ہوئے ہیں' جیسا کہ عموماً قولی سنن کا معاملہ ہے اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں' جیسا کہ فعلی اور تقریری سنن کا بیان ہے۔ پس کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے معنی و مفہوم کے اعتبار سے تو دونوں سے ایک جیسا علم حاصل ہوگا' لیکن کتاب اللہ کے الفاظ اور سنت رسول ﷺ کے الفاظ سے استدلال و استنباط سے حاصل شدہ علم کے درجہ میں کچھ فرق ہوگا' مثلاً کتاب اللہ میں حروفِ عطف واؤ اور فاء وغیرہ سے جو مسائل اخذ کیے جائیں گے' یعنی واؤ جمع کے لیے اور فاء تعقیب کے لیے ہے' تو ان سے تو علم یقینی حاصل ہوگا' لیکن سنتِ رسول ﷺ کے حروفِ عطف سے اگر کوئی مسئلہ اخذ کیا جائے گا تو اس سے علم ظنی حاصل ہوگا' کیونکہ اگر یہ سوال ہو کہ سنتِ رسول ﷺ میں وہ حرفِ عطف اسی طرح باقی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بتلایا تھا تو یہ ایک ظنّی معاملہ ہے' یعنی اس حرفِ عطف کے بارے میں ظن غالب تو ہو سکتا ہے کہ وہ ویسے ہی ہم تک پہنچا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے استعمال کیا تھا' لہٰذا اس ظن غالب کی بنا پر ثابت ہونے والے حرف سے ثابت مسئلہ بھی ظنی ہوگا اور اسے قطعی یا علم کا درجہ دینا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح قرائن کی بدولت 'وہم' سے 'ظن' تک کا سفر کرنے والی روایت مثلاً حسن لغیرہ وغیرہ سے من جملہ مسئلہ تو ثابت ہو جائے گا لیکن اس کے الفاظ ثابت نہ ہوں گے اور ان سے استدلال بھی درست نہیں ہوگا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لکن مثل ھذا لا تضبط بہ الألفاظ والدقائق. (مجموع الفتاوىٰ : ۱۳/۳۴۷۔۳۴۸)

''لیکن اس قسم کی روایت سے الفاظ کا اثبات اور دقیق نکات نکالنا مناسب امر نہیں ہے۔''

شیخ صالح العثیمین لکھتے ہیں:

لکن مثل ھذا لا نضبط بہ الألفاظ والدقائق' فلو کان الخبر یتوقف علی لفظة حکم أو تقریر قضیة' فنقول : مادام ھذہ سبیلہ لا یثبت بہ لفظ' فإن ھذہ الطریقة فی إثبات الأخبار یثبت بھا أصل الحدیث أو الخبر أو القضیة أو القصة' لکن لا نستطیع أن ندیر حکما علی اللفظ' وھذہ نقطة مھمة جدا خاصة للفقیہ الذی یرید أن یستنبط الأحکام. (شرح مقدمہ اصول التفسیر للعثیمین : ص ۱۵۸)

''لیکن اس قسم کی روایت سے الفاظ اور دقیق نکات ثابت نہیں ہوتے۔ پس اگر خبر کسی حکم یا قضیے کے اثباتِ لفظی پر متوقف ہو تو ہم یہی کہیں گے: جب تک اس خبر کا معاملہ ایسا ہے (یعنی یہ قرائن سے قوت پکڑ رہی ہے) تو اس سے روایت کے الفاظ ثابت نہیں ہوتے۔ کسی خبر کو اس طرح ثابت کرنے کے طریق کار میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث یا خبر یا قضیہ یا قصہ کی اصل تو ثابت ہو جاتی ہے لیکن ہم اس بات کی استطاعت نہیں رکھتے کہ حکم کو اس روایت کے الفاظ کے گرد گھمائیں۔ یہ بہت ہی اہم ہے' خاص طور پر اس فقیہہ کے لیے جو احکام کو مستنبط کرنا چاہتا ہے۔''

اس کی مثال وہ روایت ہے جو سنن ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

فقال: کیف تقضی؟ فقال: أقضی بما فی کتاب اللّٰه' قال: فإن لم یکن فی کتاب اللّٰه؟ قال: فبسنة رسول اللّٰهﷺ قال: فإن لم یکن فی سنة رسول اللّٰه' قال: اجتهد رأیی. (سنن الترمذی' کتاب الأحکام عن رسول الله'باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی)

'' آپ ﷺ نے کہا: تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جو کتاب اللہ میں ہے' اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: اگر وہ کتاب اللہ میں نہ ہو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں سنتِ رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا (کیونکہ اس میں صراحت اور تفصیل قرآن کی نسبت زیادہ ہے)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر وہ سنتِ رسول ﷺ میں بھی نہ ہو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔''

یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے 'ضعیف' ہے' لیکن جن علماء نے اس حدیث کو قابل احتجاج قرار دیا ہے' وہ درج ذیل ہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو 'صحیح' کہا ہے(شرح مشکل الآثار : ۲۱۲/۹)۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے 'صحیح مشہور' کہا ہے(جامع بیان العلم وفضله : ۸٤٤/۲)۔ امام ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی اسے 'صحیح مشہور' کہا ہے(عارضة الأحوذی : ۳۰۰/۳)۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے 'اسنادہ جید' کہا ہے (مجموع الفتاوی : ۳٦٤/۱۳)۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے 'اسنادہ جید' کہا ہے (تفسیر القرآن: ۱۳/۱)۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو 'قابل احتجاج' قرار دیا ہے۔(إعلام الموقعین : ۱۸۳/۱)۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے 'حسن الأسناد ومعناہ صحیح' کہا ہے (تلخیص العلل المتناهية : ۲٦۹)۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کو 'حسن لغیرہ معمول بہ' کہا ہے(الفتح الربانی : ٤٤۸٥/۹)۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے 'غریب وموقوف' کہا ہے(موافقة الخبر الخبر: ۱۱۹/۱)۔

اصل نکتہ یہ ہے کہ ان اہلِ علم کے نزدیک اس روایت کا متن درست ہے اور اس روایت سے اس قدر استدلال کرنا صحیح ہے کہ کتاب وسنت کے علاوہ استنباطِ احکام میں اجتہاد کا بھی ایک مقام ہے' لیکن اس روایت کے الفاظ سے کوئی خاص نکتہ نکالنا درست نہیں ہے' کیونکہ قرائن سے اس روایت کے الفاظ ثابت نہیں ہوتے بلکہ من جملہ مفہوم ثابت ہو جاتا ہے۔

بعض متجدّدین نے اس روایت کے الفاظ 'اَجْتَھِدُ رَأیِي' سے یہ اخذ کیا ہے کہ اجتہاد کی بنیاد انسان کی کتاب وسنّت کے علاوہ ذاتی رائے ہوتی ہے تو یہ استدلال اصولاً بھی غلط ہے اور معناً بھی۔ اصولاً اس لیے کہ قرائن کی بنیاد پر قوی ہونے والی روایت کے الفاظ ثابت نہیں ہوتے' لہٰذا الفاظ سے استدلال درست نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور معناً اس لیے کہ 'اَجْتَهِدُ رَأْيِي' کا صحیح معنی ہے: میں (کتاب وسنت) میں اپنی پوری کوشش صرف کروں گا اپنی رائے بنانے میں۔ واللہ اعلم بالصواب!

چند شبہات کا ازالہ

ضعیف روایت کے قرائن کی تائید سے قابل احتجاج ہونے کے بارے میں چند معروف شبہات کے جوابات یوں دیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب تعدد طرق سے ایک ضعیف روایت قابل احتجاج ہو جاتی ہے تو ہر جگہ ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ تعددِ طرق کی بنیاد پر کسی روایت کو قابل احتجاج قرار دیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ قرائن یعنی تلقی بالقبول یا تعددِ طرق وغیرہ سے بعض ضعیف روایات کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور وہ قابل احتجاج ہو جاتی ہیں' لیکن اس میں ان کے الفاظ قابل احتجاج نہیں ہوتے بلکہ معنی قابل احتجاج ہوتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ضعیف روایت کا یہ معنی بھی اس صورت میں قرائن کی تائید سے قابل احتجاج ہوتا ہے جبکہ وہ معنی دیگر شرعی احکام کے خلاف نہ ہو۔ پس اگر ایک ضعیف روایت کچھ طرق سے مروی ہو تو اس کا معنی قابل احتجاج ہو جائے گا' لیکن اگر اس روایت کا معنی کتاب اللہ یا صحیح سنتِ رسول سے ثابت شدہ عقائد واحکام کے خلاف ہوگا تو اس صورت میں ہم یہی کہیں گے کہ کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ کا مفہوم ان قرائن میں مانع ہے جو متعدد طرق سے مروی ضعیف کو درجہ توقف سے درجہ قبولیت تک پہنچاتے ہیں۔ پس اس مانع کی موجودگی میں اس روایت پر قابل احتجاج ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

مثلاً قصہ غرانیق والی روایت کئی ایک ضعیف طرق سے مروی ہے۔ پس اہل علم کی ایک جماعت اس روایت کے متعدد طرق کے باوجود اس کو قابل احتجاج قرار نہیں دیتی۔ ان کے نزدیک اس کے درجہ توقف سے درجہ قبولیت میں پہنچنے میں عصمتِ انبیاء اور حفاظتِ کلامِ الٰہی کا بنیادی عقیدہ مانع ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (فُصِّلَت:٤٢) یعنی باطل اس کلامِ الٰہی کے نہ تو آگے سے آ سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے۔ لہٰذا اس ضعیف روایت کے متعدد طرق ہونے کے باوجود اس کا معنی ثابت نہیں ہوگا اور اس کے قرائن اسے کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ جبکہ اہل علم کی ایک دوسری جماعت اس روایت کے معنی کا اثبات کرتی ہے اور ان کے نزدیک اس روایت کے الفاظ ثابت نہیں ہیں اگرچہ اس واقعہ کی کوئی اصل موجود ہے۔ یہ اہل علم اس واقعہ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ 'تلك الغرانيق العلى' والے الفاظ اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے ادا نہیں ہوئے تھے لیکن کفار نے ان الفاظ کو شیطان کی طرف سے سنا تھا اور ان الفاظ کو سنانے میں مقصود مشرکین کی آزمائش تھی اور ﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ﴾ (الحج:٥٢) کے ذریعے شیطان کی ملاوٹ کو ختم کر کے کلامِ الٰہی کی حفاظت کر دی گئی۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس قصہ کی بعض اسناد کو ابو العالیہ' قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ اجمعین تک صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا اعتراض

ایک اعتراض یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ متقدمین محدثین نے 'حسن لغیرہ' کی اصطلاح استعمال نہیں کی ہے اور یہ متاخرین کی اصطلاح ہے۔

ہمارے خیال میں یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے' کیونکہ اصول کے علوم کی تدوین درجہ بدرجہ ہوئی ہے' مثلاً صحابہ' تابعین اور تبع تابعین اصولِ فقہ کی ان اصطلاحات کا نام استعمال نہیں کرتے تھے جو اصولِ فقہ کے دَورِ تدوین میں اس کی امّہات الکتب میں مدوّن ہوئیں۔ البتہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے ہاں اصول فقہ کی ان اصطلاحات اور اصول وقواعد کے تصورات ضرور موجود تھے۔ اسی طرح اصولِ حدیث کا علم بھی درجہ بدرجہ مدون ہوا ہے اور اس میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ معانی اور تصورات کے لیے اصطلاحات وضع ہوئی ہیں' بلکہ اصطلاح تو کہتے ہی اسے ہیں جس پر ایک جماعت کی صلح ہوئی ہو۔ یعنی اصطلاح ایک جماعت کے اتفاق کے بعد اصطلاح قرار پاتی ہے اور جماعت کا اتفاق ایک دن' مہینے یا سال میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے صدیاں لگتی ہیں۔

پس حسن لغیرہ کا تصور تو متقدمین حدیث میں موجود تھا' جیسا کہ امام مالک (م ۱۷۹ھ) اور بعض متقدمین علماء مرسل روایت کو قبول کرتے تھے جبکہ ثقہ تابعی سے اس کی روایت کا قرینہ موجود ہوتا تھا۔ اسی طرح امام شافعی (م ۲۰۴ھ) رحمہ اللہ بھی بعض شرائط کے ساتھ مرسل روایت کو قبول کرتے تھے۔ علاوہ ازیں احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) رحمہ اللہ فضائل یا رقائق سے متعلق ضعیف روایات پر عمل کو جائز سمجھتے تھے جبکہ قرائن سے ان کو تقویت پہنچ رہی ہوتی تھی۔ اسی طرح امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) رحمہ اللہ بعض اوقات ایسی ضعیف روایات کو جو کئی طرق سے مروی ہوں' حسن کا نام دے دیتے ہیں۔ اس طرح امام ابوداؤد (م ۲۷۵ھ) رحمہ اللہ بعض اوقات ایسی ضعیف روایات کو جو ایک سے زائد طرق سے مروی ہوں' صالح کا نام دیتے ہیں۔

اس کے بعد امام ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) نے '**الحدیث الحسن قسمان**' کے نام سے 'حسن' کی دو قسمیں بنائیں اور بعض ضعیف روایات کو تعدد طرق کی بنا پر قابل احتجاج قرار دیا' جبکہ امام ابن حجر (م ۸۵۲ھ) رحمہ اللہ نے باقاعدہ 'حسن لغیرہ' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہمارا یہاں یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کی مرسل' امام احمد رحمہ اللہ کی ضعیف' امام ترمذی رحمہ اللہ کی حسن' امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی صالح' امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی حسن اور امام ابن حجر رحمہ اللہ کی حسن لغیرہ ایک ہی شے ہیں۔ ہمارا مقصود یہاں صرف یہ ہے کہ قرائن کی بنیاد پر ضعیف روایت کے قابل احتجاج ہونے کا نقطہ نظر مختلف اصطلاحات' کیفیات اور حالات کے ساتھ ہر دور میں محدثین کے ہاں مقبول رہا ہے' جیسا کہ ہم اصول فقہ میں دیکھتے ہیں کہ 'اجتہاد' کے سب قائل ہیں لیکن امام شافعی رحمہ اللہ سے لے کر امام شوکانی رحمہ اللہ تک 'اجتہاد' کی تعریف اور تصورات میں فرق بھی مختلف مکاتب فکر میں ملحوظ ہیں' مثلاً امام شافعی' امام ابن حزم اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کا نظریہ اجتہاد ہر اعتبار سے ایک نہیں ہے اگرچہ اجتہاد کے بنیادی تصور کے قائل سب ہی ہیں۔ یہی معاملہ اس ضعیف روایت کا بھی ہے جو قرائن کی بدولت قوی ہو جاتی ہے کہ اس کے قائل سب ہی ہیں اگرچہ تفصیلات میں اختلاف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسرا اعتراض

ایک اعتراض یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ 0+0=0 ہوتا ہے' لہٰذا ضعیف+ضعیف =0 ہے۔

ہم اس بات کی وضاحت تفصیل سے کر چکے ہیں کہ ضعیف =0 والی بات عقل ونقل کے خلاف ہے۔ موضوع روایت کے بارے میں zero کہنا تو درست ہو سکتا ہے لیکن ضعیف کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے' ورنہ تو موضوع اور ضعیف میں فرق کیا ہوا؟ اور جب ہر ضعیف روایت zero کے برابر ٹھہری تو اس کی سترہ یا اس سے زائد قسموں میں فرق کرنے کا کیا مقصد ہے؟

ہم یہ بات تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ضعیف روایت zero سے 50 کے درمیان کسی درجہ میں ہوتی ہے اور اس میں سچ کے پہلو کے مرجوح ہونے کی وجہ سے قائل کی طرف اس کی نسبت ضعیف اور کمزور ہوتی ہے یا وہم کے درجہ میں ہوتی ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں یہ وہم مختلف قرائن کی وجہ سے تقویت حاصل کر لیتا ہے اور درجہ وہم سے 'ظن غالب' یا 'علم' کے درجہ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ اس خبر میں وہم 'ظن غالب' یا 'علم' کے درجہ کو پہنچا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ ماہرین فن یعنی محققین محدثین کریں گے' کیونکہ یہ ان کا میدان ہے اور ان کی زندگیاں حدیث کی خدمت میں کھپ جاتی ہے۔ پس محدثین کے بالمقابل عوام یا طلبۃ العلم یا اہل فقہ کے ہاتھ میں یہ اختیار دے دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مہلک بیماری کی تشخیص میں کسی عطائی یا ڈسپنسر یا انجینئر کی رائے پر عمل کیا جائے۔ جس طرح یہ کہنا درست نہیں ہے کہ سب سے بڑا محدث ہی سب سے بڑا فقیہہ ہوتا ہے' اسی طرح کسی فقیہہ کو سب سے بڑا محدث مان لینا بھی ایک ظلم عظیم ہے۔ یہاں مختلف علوم وفنون ہیں' ہر فن کے اپنے رجال کار ہیں اور اس فن کی باریکیوں میں انہی کی رائے معتبر ہو گی جنہوں نے اس فن کی خدمت میں اپنی زندگیاں کھپائی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

چوتھا اعتراض

ایک ممکنہ اعتراض یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے سابقہ صفحات میں جو حوالہ جات پیش کیے ہیں' ان کی روشنی میں فاسق اور متہم بالکذب کی روایت بھی بعض صورتوں میں قابل قبول ہو سکتی ہے جبکہ محدثین عظام مثلاً ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ ایک فاسق یا متہم بالکذب کی روایت حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا اس وقت موضوع 'حسن لغیرہ' نہیں ہے' بلکہ ہمارا موضوع عام ہے' اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مختلف درجات کی ضعیف روایات متفرق قرائن کی روشنی میں قابل احتجاج ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ہم نے اس کا عنوان 'وہم سے علم تک' رکھا ہے کہ بعض اوقات ایک خبر 'وہم' کے درجہ میں ہوتی ہے لیکن قرائن متفرقہ کی تائید کے بعد 'ظن غالب' یا 'علم' کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ شرعی دلائل کی روشنی میں ایک فاسق اور متہم بالکذب کی روایت بھی قابل احتجاج ہو جاتی ہے لیکن اس کے لیے مضبوط قرائن کی ضرورت ہے۔ اب کیا ایک فاسق یا متہم بالکذب کی روایت کا ضعف ایک دوسرے ضعیف طریق سے دور ہو جاتا ہے؟ یعنی کیا عدالت میں طعن کی بنیاد پر ایک ایسی ضعیف روایت کے لیے ایک دوسری ضعیف روایت ایسا قرینہ ہے کہ وہ پہلی روایت کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'وہم' سے 'ظن غالب' کے درجہ میں پہنچادے تو امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی نفی فرمائی ہے۔ یعنی انہوں نے اس کی نفی نہیں فرمائی ہے کہ متہم بالکذب یا فاسق کی روایت کبھی قابل احتجاج ہو ہی نہیں سکتی' بلکہ انہوں نے ایک سے زائد طرق سے مروی قرینے کی قوت کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ قوت اس درجہ کی نہیں ہوتی کہ اس سے ایک متہم بالکذب یا فاسق کی ضعیف روایت میں ضعف کا انجبار ممکن ہو۔ پس امام ابن حجر رحمہ اللہ اس فن ومیدان کے رجال میں سے ہیں اور یہ طے کرنا کہ کسی حدیث کا ضعف کس قدر یا درجہ کا ہے اور اس کے اس ضعف کو ختم کرنے کے لیے کس قدر قوی قرینے کی ضرورت ہے' اس بارے میں امام صاحب رحمہ اللہ اور ان جیسے محدثین عظام کی رائے ہمارے نزدیک بہت ہی محترم اور قابل اعتماد ہے۔

آخر میں ہم اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ مضمون ایک علمی مسئلہ میں اہل علم کی ایک غالب جماعت کی ترجمانی کے لیے تحریر کیا گیا ہے اور اس سے مقصود کسی مناظرہ ومباحثہ کا آغاز کرنا نہیں ہے' جیسا کہ ہمارے ہاں بعض رسائل میں اس موضوع سے متعلق ایک بحث 'حسن لغیرہ' کے ضمن میں فریقین کی جانب سے شدید نقد وتعاقب اور بعض اوقات تو طعن وطنز بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ امکان ہے بعض اصحابِ علم وفضل کو اس نقطہ نظر سے اختلاف بھی ہو اور ان کے پاس اپنے موقف کے اثبات کے دلائل بھی ہوں۔ پس اس مسئلہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ جانبین ایک دوسرے کے موقف کے لیے تحمل اور برداشت کا رویہ پیدا کریں اور ممکن حد تک کسی مناظرانہ اور مباحثانہ فضا سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے موقف اور اس کے دلائل کو مثبت انداز میں بیان کر دیا جائے۔ جس کے موقف اور استدلال میں جان ہوگی' وہ اہل علم اور خواص میں عام ہو جائے گا۔ اور اپنا موقف واضح کر دینے کے بعد اتنا کہہ دینا کافی ہے:

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾﴾ (الشوریٰ)

❀❀❀

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

© rasailojaraid.com